جلد04شمارہ02، 2023

سلیم بیتاب کی نظموں میں ترقی پسند عناصر

Progressive Elements in Saleem Baitaab's Poems

ڈاکٹر ماجد مشتاق[1]، ڈاکٹر سمیع اللہ[2]، حمزہ محبوب[3]

[1] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی فیصل آباد، [2] اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ فارسی، جی سی یونیورسٹی فیصل آباد،

[3] لیکچرار، شعبہ اردو، گورنمنٹ میونسپل ڈگری کالج، جڑانوالہ روڈ، فیصل آباد

Dr. Majid Mushtaq[1], Dr. Sami ullah[2], Hamza Mehboob

[1] Assistant Professor, Dept of Urdu, Government College University, Faisalabad

[2] Assistant Professor, Dept of Persian, Government College University, Faisalabad

[3]Lecturer, Department of Urdu, Govt. Municipal Graduate College, Jaranwala Road, Faisalabad.

eISSN: 2789-6331
pISSN: 2789-4169

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT:
Salim Betaab was an important and well known poet of Faisalabad. In the Sixth Decade of the Twentieth Century, He was a poet of ghazal and acknowledged in his Era and afterwards. He also known as a poet of nazam but his ghazal was most prominent in his era and later. The critics pay attention towards his ghazal and totally ignored his nazam. This article will throw light on the contribution of Salim Betaab in the field of nazam. He was a good poet in this regard as well. Salim Betaab had progressive approach towards the life. As a progressive poet he has made a vital contribution in Urdu poetry. This article gives some glimpse of his work and try is acknowledge him as a poet of progressive. This article will help the reader to know about the Salim Betaab and his nazam with a progressive approach.

KEYWORDS: Saleem Betaab, progressive approach, Laborer, manifesto, hypothesis, ignore, Propaganda.

مظاہرِ فطرت کی پرستش کو بالعموم ٹوٹم سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ٹیبو سے مراد ثقافتی یا سماجی ممنوعات ہیں۔ یہ پابندیاں اکثر مذہبی، روایتی یا اخلاقی عقائد میں جڑی ہوتی ہیں اور انھیں سماجی نظم و ضبط کو منظم کرنے اور برقرار رکھنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ مذہب، حکومت، معاشرہ اور تہذیب و ثقافت ایسے مضبوط نظام ہائے زیست ہیں کہ عام آدمی ان کے احکام اور رسوم و رواج سے سرِ مو انحراف نہیں کر سکتا اور ایسا کرتا ہے تو اسے سخت مشکلات اور مصائب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

فیصل آباد کی ادبی تاریخ میں نظم گو شعرا کی فہرست زیادہ طویل نہیں مگر ایک عہد میں اِسے جدید نظم کے حوالے سے خصوصیت

حاصل تھی۔ شہزادہ حسن، جاوید انور، افتخار فیصل، ڈاکٹر وحید احمد، علی اکبر عباس، سعادت سعید اور قیوم ناصر جیسے شعرا اس شہر کی ادبی فضا کو نظم سے فیض یاب کر رہے تھے۔ ان شعرا نے اپنی اپنی بساط میں اس صنف کو ایسے شاہکار عطا کیے کہ اس شہر کے ادبی منظر نامے کو رنگا رنگی عطا ہوئی۔ اسی شہر میں جہاں لائل پور کاٹن ملز کے مشاعروں سے ادبی زندگی کو تحریک ملی اور برصغیر پاک و ہند کے کونے کونے سے شعرا اس میں شرکت کرتے وہیں نوجوان شعرا کی بڑی تعداد اپنے اپنے حلقوں میں شعر و سخن کو نئے تجربات سے مزین کر رہے تھے۔ لائل پور کاٹن ملز کے مشاعروں کا تذکرہ تو احسان دانش نے آپ بیتی "جہانِ دانش" میں الگ عنوان سے کیا۔(۱)

فیصل آباد میں ساٹھ کی دہائی غزل کے حوالے سے خاصیت کی حامل رہی۔ نئے شعرا نے اپنی غزل سے جہانِ علم و ادب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ ان شعرا میں ایک نام 'سلیم بیتاب' کا تھا۔ سلیم بیتاب بنیادی طور غزل گو شاعر کے طور پر جانے گئے اور ان کا یہ شعر تو زبان زدِ عام رہا اور آج بھی فیصل آباد کی غزل کے نمائندہ شعر کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

میں نے تو یونہی راکھ میں پھیری تھیں انگلیاں
دیکھا جو غور سے تیری تصویر بن گئی(۲)

سلیم بیتاب نے ادبی منظر نامے میں جس تیزی سے اپنے لیے جگہ بنائی وہ ان کی شاعرانہ مہارت اور پختگی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ ادبی تنظیموں حلقۂ اربابِ ذوق لائل پور اور پاکستان رائٹرز گلڈز کے فیصل آباد ونگ میں نمایاں رہے۔ ۲ اپریل ۱۹۴۰ء(۳) کو پیدا ہونے والا یہ شاعر صرف سات سال کی عمر میں بھارت کے شہر جالندھر سے اپنے خاندان کے ہمراہ فیصل آباد کے نواحی گاؤں خوش پور (۵۱ گ ب) میں آباد ہوا۔ ان کے والد محنت مزدوری سے خاندان کا پیٹ پالتے رہے۔ یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ اکثر حوالوں میں انھیں نلکوں کا کاروبار کرتے دکھایا گیا ہے۔ ان کے خاندان کے لوگ اس پیشے سے وابستہ نہ تھے۔ معروف محقق اشرف اشعری نے بھی اپنی کتاب میں یہی حوالہ دیا ہے۔ مگر صورتِ حال مختلف تھی۔ ان کے والد روزگار سے پریشان تھے تو ایک قریبی عزیز کے پاس دکان پر ملازمت کی۔ یہ دکان سرکلر روڈ فیصل آباد پر 'چودھری پائپ سٹور' کے نام سے موجود ہے۔ وہاں انھیں بطور مزدور پائپ نکالنے اور کاٹنے کا کام کرنا پڑا۔(۴) (یہ بات سلیم بیتاب کے قریبی عزیز اور دوست، معروف محقق اور نقاد ڈاکٹر ریاض احمد ریاض نے بتائی جن کا دورانِ طالب علمی اور عام زندگی میں ایک عرصہ سلیم بیتاب کے ساتھ گزرا۔) اس طرح سلیم بیتاب نے زندگی کے ابتدائی دنوں سے ہی غربت اور تنگ دستی کو قریب سے دیکھا اور مزدور کی زندگی کی صعوبتیں اس کم سنی میں محسوس کیں۔

سلیم بیتاب کی وجۂ شہرت غزل رہی مگر یہ پہلو ہمیشہ نظر انداز کیا گیا کہ ان کی نظمیں بھرپور نظریاتی عکس رکھتی اور مزدوروں کی زندگی پر گہری نظر کی حامل ہیں۔ ان کا مجموعہ "لمحوں کی زنجیر" چھپ کر منظرِ عام پر آیا تو اس میں غزلیات کے علاوہ سولہ نظمیں بھی شامل تھیں۔ جب کہ ان کا دوسرا مجموعہ "ہوا کی دستک" ان کی وفات کے بعد منظرِ عام پر آیا۔ اس میں زیادہ حصہ نظموں پر مشتمل تھا۔ سلیم بیتاب کی نظموں کا

مطالعہ ان کے زاویۂ نظر اور فلسفۂ زیست کو سمجھنے کا بڑا حوالہ ہے۔ اسے نظر انداز کر کے ان کی بطور شاعر خدمات کو مکمل کہنا ناممکن ہے۔

سلیم بیتاب کی غزل جہاں لطیف جذبوں، خوب صورت مناظرِ فطرت کی عکاس ہے وہیں زندگی کے تلخ حقائق اور مجبوریوں کو نظم میں ترجمانی فراہم کی گئی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے آغاز سے جہاں 'ادب برائے زندگی' کے پہلو نے ادب کو نئے آفاق مہیا کیے وہیں عام انسان کے مسائل، مزدور کی مجبوریاں، طبقاتی نظام کے شاخسانے اور انسانی جذبوں کی عکاسی کو نئی جہت ملی۔ اس تحریک سے وابستہ شعرا نے زندگی کی ترجمانی کی اور ملکِ پاکستان کے عوام کے جذبوں کو آواز عطا کی۔ فیض احمد فیض، احمد ندیم قاسمی، احمد فراز جیسے شعرا کی پہچان ہی یہی تحریک اور نظریہ تھا۔ اسے وقت کی ستم ظریفی کہیے یا ناقدین کی سہل پسندی کے شعرا کی ایک بڑی تعداد ان کی توجہ سے دور رہی۔ انھی شعرا میں سلیم بیتاب بھی شامل ہیں جن کی نظمیں کسی طور بھی ادبِ عالیہ کے معیارات اور ترقی پسند نظریہ کے پرچار میں پیچھے نہیں ہیں۔ سلیم بیتاب مزدور کا بیٹا اور مزدور کے جذبات کا ترجمان شاعر ہے۔

ان کی نظم "شہدائے شکاگو کی یاد میں" ان کے رجحان اور نظریۂ حیات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ شکاگو کے مزدوروں پر یہ نظم ان مزدوروں کی عظمت کا ثبوت ہے، ان مزدوروں کی قربانیوں پر لکھا گیا خراجِ تحسین ہے۔ اس نظم میں ظلم کے اس باب کو جس قدر گہرائی سے بیان کیا گیا ہے یوں لگتا ہے جیسے یہ شاعر کا مشاہدہ ہو۔ سیکڑوں میلوں دور بیٹھا شاعر جب اس طرزِ اظہار کو اپناتا ہے تو اس کے اندر کی آواز اس تاثیر کو سامنے لا کھڑا کرتی ہے جو شنیدن اور دیدن میں حائل فرق کو دور کر دیتی ہے۔ سلیم بیتاب کی یہ نظم محض ان شہادتوں کا نوحہ نہیں بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے عزم کا پیغام اور نئی نسل کے لیے آسانیوں کا درس ہے اور تاریخ کے دھارے پر رقم حقائق کی علم بردار ہے۔ نظم کے آخر میں لکھتے ہیں:

لوحِ تاریخ پر آج کر دیں رقم
جس سے آتی ہوئی ہر صدی کی جبیں
اس مقدس سے لمحے پہ ہو جائے خم
عظمتوں کی قسم
وقت کے جسم پر خون کی سُرخیاں زرد پڑتی نہیں
خون کی حِدتیں سرد پڑتی نہیں
خون تاریخ کے زرد اوراق کی سُرخ تفسیر ہے
لوحِ تہذیب پر نورِ تحریر ہے (۵)

اسی طرح ان کی نظم "مزدور کا منشور" بھی اپنے عہد کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے مزدور کے جذبات و احساسات کی ترجمان

ہے۔ پاکستان پر آمریت کا راج تھا۔ قلم فروش ادیب اور شاعر حکمرانوں کی خوشنودی کے لیے مزدوروں اور ان کے علم بردار شاعروں کو سُرخے، باغی، غدار جیسے القابات سے نواز رہے تھے۔ ایسا ماحول پیدا کیا گیا تھا کہ جہاں اپنے حقوق کے لیے آواز بلند کرنے والوں کو سزائیں دی جا رہی تھیں۔ سلیم بیتاب نے اس نظم میں مزدور کی سوچ کی عکاسی کرتے ہوئے ان تمام منفی ہتھکنڈوں اور پراپیگنڈوں کی نفی کی اور بتایا کہ مزدور کا خون پسینہ اس وطن کی سرفرازی کے لیے ہے۔ وہ اپنے حق کے لیے نظام پر عفریت کی طرح پھیلے مفاد پرست جابر لوگوں سے نبرد آزما ضرور ہے مگر وطن کا خیر خواہ ہے اور اس کی بہتری کے لیے کوشاں ہے۔ وہ اپنی محنت کو عبادت سمجھتا ہے:

مجھ کو زادِ سفر دست و بازو میرے
میری منزل ، میرے ملک کی بہتری
مجھ کو میری مشقت ، عبادت میری
میرا منشور ، مزدور کی سروری(۶)

سلیم بیتاب کی نظمیں جا بجا اس پیغام کی حامل ہیں جہاں ان خدشات کی نفی ہوتی ہے کہ مساوات کا نظام لانے کا خواہش مند مزدور، اپنے حق کے لیے آواز اٹھانے والا انسان کسی بیرونی نظریے یا سوچ کا پروردہ ہے۔ وہ یہ حقیقت بیان کرتے ہوئے ان لوگوں کو آئینہ دکھا رہے ہیں جنھوں نے اپنے مخصوص مقاصد کے لیے اس طرح کا ماحول بنایا کہ انسان دوستی کی اقدار پامال ہوتی رہیں اور ان کے ماتھے پر بغاوت کی تحریر لکھ کر انھیں مطعون اور ملعون قرار دیا جائے۔ یہی سوچ کبھی شاعروں ادیبوں کو قید و بند کی صعوبتوں کی طرف لے گئی اور کبھی سرِ بازار تذلیل کا مظہر بنی۔ سلیم بیتاب وقت کے ان معیارات کو دیکھ رہے اور ایک ذمہ دار شاعر کے طور پر درست پہلوؤں کو بیان کر رہے تھے۔ ان کی نظم "نئی صبح کو سلام" انھی خیالات پر مبنی ہے۔ جب وقت نے کروٹ بدلی اور حالات بدلے تو شاعر نے اسے ایک نئی صبح قرار دیا۔ نئی صبح کا یہ نیا منظر نامہ، نئی لگن اور نئے ولولے کی طرف بڑھتا قدم تھا جہاں خوشی سے سرشار قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ وہ ان قدموں کی درست سمت میں پیش قدمی کو بیان کرتے ہیں اور اس عہد اور وعدہ کی یاد دہانی کراتے نظر آتے ہیں جو اول و آخر مقصد تھا۔ اب وقت آیا ہے تو اس عہد کی تجدید کریں۔ وہ بیان کرتے ہیں:

دلوں سے تیرگی ، رنج و غم مٹا ڈالیں
وطن کو بہشت بریں بنا ڈالیں
چراغ عزم کو روشن ، ہر ایک گام کریں
اٹھو کہ اٹھ کے نئی صبح کو سلام کریں(۷)

سلیم بیتاب کی نظموں میں مزدوروں کے حقوق، ان کی فکر، ان کی سوچ کے زاویے نعرہ بنتے نظر آتے بلکہ وہ انھیں انسانی سطح پر پرکھتے

ہوئے زندگی کے حقائق کی صورت پیش کرتے ہیں۔ وہ انسانی خواہشات کا ادراک رکھتے ہیں۔ ان خواہشوں کے سامنے سدِ راہ زمینی حقائق سے واقف ہے۔ انسانی فکر اور اس کی پرواز کو زیبِ قرطاس کرتے ہوئے یہ نہیں بھولتے کہ انسان کی سوچیں جب بیرونی منظر نامے سے شکست کھاتی ہیں تو سوچیں بن کر ان کے اندر کسی سرطان کی طرح پھیل جاتی ہیں۔ اس ناقدری اور نارسائی کا احساس انھیں کسی عفریت کی طرح اندر ہی اندر سے ڈستا اور زہر خند کرتے ہوئے بے چین رکھتا ہے۔ سوچیں جو ان لوگوں کی زندگی میں ہوا کے خوشگوار جھونکے کی طرح آئیں اور پھر نامرادی کی تصویر بن کر مایوسی کا پیمان بن گئیں۔ سلیم بیتاب اس انسانی فکر اور ادراک کی جنگ کو اپنے اندر محسوس کرتے ہیں۔ یہ جنگ جو ہر عام آدمی کا مسئلہ ہے جو انسانی تاریخ کے ہر موڑ اور ہر باب پر ایک بھیانک تصویر کی صورت نظر آتا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں:

تا سحر اب تو یہ مہماں رہیں گے میرے
رات بھر نوچیں گے یہ میرا بدن جی بھر کے
اور پھر صبح کو مہمانِ گرامی میرے
سرخرو جائیں گے سب اپنے گھروں کو لیکن
میرے اعصاب کو مسموم
مرے خون کو ناصاف بنا جائیں گے
تا ابد اب یہی اسلوب رہے گا شاید
جسم میرا، یونہی مطلوب رہے گا شاید(۸)

ان کی نظموں میں انسانی ناقدری کا احساس بڑی شدت اور گہرائی کے ساتھ نظر آتا ہے۔ وہ ان سارے رویوں پر شکوہ کناں ہیں جو انسان کی حیثیت اور اہمیت کو مجروح کر رہے ہیں۔ وہ انسانی قدروں کو منافقت کی بھینٹ چڑھتا نہیں دیکھ سکتے۔ وہ مزدوروں کی زندگی کی تلخیوں سے نظر ہٹاتا ہے تو اُسے مذہبی اجارہ دار سامنے کھڑا نظر آتا ہے۔ اس کھوکھلے پن نے جو مقدس لبادہ اوڑھ رکھا ہے وہ اس حیاتِ ارضی کو تنگ نظری کی طرف دھکیل رہا ہے۔ اس طبقے نے خدائے لم یزل کی ذات کو بھی مخصوص طرز اور زاویے سے دیکھنے والوں کے لیے قبولیت کا اعلان کیا تو ان لوگوں کو جو اس خالقِ کائنات سے محبت اور دوستی کا دم بھرتے ہیں کو اس شرفِ قبولیت سے محروم نہیں رکھا بلکہ انھیں نئے القابات نوازے اور مذہب کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا۔ جہاں خدائے بزرگ و برت کی ذات کی رحمتیں عروج پر ہیں، جہاں اُس کا رب اسے بازو پھیلائے بلا رہا ہے۔ ان دین کے ٹھیکیداروں نے اسے بھی مخصوص نظر سے دیکھنے کی پابندی لگا کر نو انٹری کا بورڈ آویزاں کیا ہوا ہے۔ وہ جنت اور جنت کی طرح حسیں مناظر کو خدا کی قدرت جان کر اس سے آنکھوں کو تراوت بخشنا چاہتا ہے، ان سبزوں سے خدا کی حمد و ثنا سننے کا خواہش مند ہے تو وہاں بھی اسے ان الفاظ سے سامنا ہے کہ آگے آنا منع ہے۔ شاعر کے نزدیک اجارہ داری معیشت پر ہو یا مذہب پر دونوں ہی انسانی زندگی کے لیے زہرِ

قاتل ہیں۔ وسائل پر قبضے کی یہ جنگ اپنے لیے نئے نئے زاویے تلاش کرتی ہے۔ دولت، سرمایہ داری، عہدہ، مذہب اور طاقت سب اس طبقے کے اہم ہتھیار ہیں۔ شاعر نے اپنی نظم "نوانٹری" میں انھی زاویوں کو یکجا کیا ہے۔ یہ نظم جمالیاتی طرزِ اظہار میں اہم پہلوؤں کی طرف اشارہ کرتی نظر آتی ہے:

کہیں یہ درختوں کی سبز شاخیں
پھلوں کا بارِ حسیں اٹھائے
جھکی کھڑی ہیں!
کہیں حسین و جمیل خیموں کے پاک سائے میں
حور و غلماں پڑے ہیں
حریر کے سبز رنگ تکیے ہیں
اطلسی نرم نرم بستر بچھے ہیں
فضا معطر ہے
وقت ساکت ہے
حمد جاری ہے
یہاں کچھ فاصلے پہ لیکن
جلی حروف اور سرخ رنگ میں
نوانٹری جگمگا رہا ہے(۹)

سلیم بیتاب کی یہ نظم ان تمام نعروں اور دعوؤں پر بھاری نظر آتی ہے جو مخصوص مذہب بیزار طبقے کی صدیوں پر محیط متعصبانہ اور روایتی مساعی کی صورت موجود ہے۔ ان کی شاعری میں جہاں مزدوروں کے حقوق کی بازگشت ہے وہیں پر ان کی نظموں میں مزدور کے لیے راہنمائی کے پیغام بھی نظر آتے ہیں جو کبھی "مزدور کا ترانہ" اور "مزدور کا منشور" بن کر سامنے آتے ہیں۔ ان کی نظموں میں جذبۂ حب الوطن نظر آتا ہے۔ وہ ان اہلِ قلم ادیبوں اور شاعروں کے ہم نوا نہیں جو تازہ ہوا کے شوق میں دیوار گرانے کی بات کرتے ہیں۔ ان کی سوچ ارضِ وطن کو جبر و استبداد کے جاری پیمانوں سے نجات دلانے کی طرف لے جاتی ہے۔ وہ اس دھرتی کو جنتِ ارضی بنانے کے خواہاں ہیں جہاں عام انسان اشرف المخلوقات کا حقیقی مظہر ہو۔ جہاں مزدور اور کسان کی توقیر ہو، جہاں انسان کی قدر ہو اور جب وہ یہ سب نہیں پاتے تو انسانی رویے میں پائے جانے والی منافقتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ امر بھی تاریخی حقیقت ہے کہ دُنیا میں اٹھنے والی ہر تحریک کی مقبولیت دیکھ کر طالع آزماؤں نے

بہروپ بھرے، ان نظریات کا فائدہ اٹھایا اور کنارہ کشی اختیار کی۔ اپنے دامن میں خوشیاں بھرتے ہوئے انھیں بین میں ڈوبی ہوئی آوازیں اور میتوں کا ماتم نظر نہیں آیا۔ سلیم بیتاب ایسے لوگوں کو قابیل قرار دیتے ہیں جو اپنے ہی بھائی کے خون سے ہاتھ رنگ لینے میں تامل نہیں کرتا۔ ان کی نظم "ہم سب قابیل ہیں" انھی لوگوں کی طرف اشارہ ہے:

زباں، حمد و ثنائے یاراں کا
رات دن ورد کر رہی ہے
مگر دلوں میں وہ تیرگی ہے
کہ جس نے روحوں کو ڈس لیا ہے
ہر ایک شخص اب تو کھوکھلا ہے (۱۰)

سلیم بیتاب کا یہ انداز اپنے عہد کے تمام شعرا سے مختلف ہے، جہاں مایوسی سے زیادہ حیرت ہے، حیرت سے بڑھ کر حسرت ہے، حسرت سے زیادہ حقیقت کا گمان ہے۔ وہ کھوکھلے عہد کے جھوٹے نعروں اور منہ پر منافقت کے خول چڑھائے چہروں سے بہلتے نہیں ہے۔ انھیں زندگی کے تلخ حقائق کا ادراک ہے اور اسی ادراک میں وہ اس منظر نامے سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں جہاں انسان کو انسانیت کا شعور اور احساس نہیں۔

سلیم بیتاب کی نظموں کے یہ زاویے انسانی زندگی کے کج رویوں اور عام انسان کے لیے پیدا شدہ صورتِ حال میں اس حساس فرد کے جذبات کی ترجمانی ہے جو اس انسان کو اللہ کا نائب اور خلیفہ دیکھنا چاہتا ہے۔ ان کی نظموں میں انسانی زندگی کی ان روایات کا تذکرہ بھی ہے جسے اُردو ادب میں مقبول بیانیہ بننے میں بہت دیر لگی۔ حقوقِ نسواں کے علم برداروں اور تانیثیت کے دعویداروں نے جب نظام کی فرسودگی پر لکھا اور ان رواجوں کی قلعی کھولی جو اخباروں کی سرخیوں کی صورت نمودار ہو چکی تھی۔ شاید وہ ان محسنوں کو بھول گئے جنھوں نے غزل کی لطافت سے دُنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائی اور اس شہرت اور پذیرائی میں بھی وہ اس نظام کی بدحالی اور غلط روایات کو ہدفِ تنقید بنانے سے باز نہیں آئے۔ سلیم بیتاب ان شاعروں میں شامل ہیں جنھیں شہرت اور عزت کے نشے نے ان کے فرض سے غافل نہیں رکھا البتہ ان کے بعد ان کی اس قلمی مساعی کو پذیرائی دینے والے نہ جانے کس سمت نکل گئے کہ انھیں اس شاعر کی نظم "لومیرج" نظر نہیں آئی۔ اس نظم میں وہ ستر کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں عورتوں کے مسائل اور ان کی زندگی پر پھیلے سماجی رواجوں کے سائے بے چین کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ یہ نظم جہاں ایک عورت کی بے بسی کا مظہر ہے وہیں پر اس کھوکھلے سماج کے منہ پر زناٹے دار طمانچے کی صورت جلوہ گر ہوتی نظر آتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وہ ہے آوارہ کہ اس لڑکی نے
کیوں بھلا اپنے لیے اس کی رفاقت چاہی

جو تھا اک غیر سی ذات
اس سے کیوں اپنی مسرت کا حصول
اپنے ماضی کی روایات سے ہٹ کر چاہا
اپنے ماحول سے کٹ کر چاہا
اس کو سنگسار کرو
گاڑدو زندہ اُسے
سنگ کی دیواروں میں
وہ ہے آوارہ کہ اس لڑکی نے
اپنی بوسیدہ سی رسموں سے بغاوت کی
اپنی بیمار روایات سے نفرت کی ہے(۱۱)

زندگی کے اس پہلو کو جہاں لڑکی کو اپنی زندگی کے فیصلے لینے کی آزادی نہیں، اپنے حق کے لیے قدم بڑھانا کجا اپنے حق کا سوچنا بھی جُرم ہے۔ شاعر نے ان تمام لڑکیوں کی مجبوریوں کو زبان عطا کی ہے جو ان بوسیدہ رواجوں کے بوجھ تلے دب کے مر رہی ہیں، جنھیں سخت سے سخت سزا کی صورت عبرت کا نشان بنایا جارہا ہے۔ ان حالات میں آزادئ انساں کا خواب کیسے شرمندۂ تعبیر ہو سکتا ہے۔ جہاں آج کی لڑکی کل کی مجبور ماں بن کر نئی نسل کی پرورش کرے گی تو اُسے کیا سکھائے گی، ہاتھ باندھے غلاموں کی قطار میں شمار کیا جانا۔ سلیم بیتاب کی نظمیں ایسے کئی انسانی المیوں کی ترجمان ہیں جنھیں ان کے عہد کے شعرا نے درخورِ اعتنا نہیں سمجھا۔ ان سب کے باوجود وہ مایوسی کا شاعر نہیں بلکہ عزم و ہمت کے جذبوں کا ترجمان ہے۔ ذات اور احساسِ ذات کے فلسفے کا قائل ہے۔ وہ عورت کی معاشرتی حیثیت کا اظہار کرتا ہے تو ساتھ ہی عورت کو اپنی ذات کی پہچان اور ادراک کا درس دیتا ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جو انقلاب اور تبدیلی کے سفر کا پہلا زینہ ہے۔ وہ اپنی نظم "لومیرج" میں اگر رواجوں اور سماج کی سختیوں کا تذکرہ کرتے ہیں تو اپنی ایک اور نظم "اک دبلی سی معصوم سی لڑکی" میں اُسے اپنی ذات کے احساس اور اپنی ہستی کے برحق ہونے کا شعور عطا کرتے ہیں۔ نظم میں وہ ساری مجبوریوں اور کمیوں کی طرف اشارہ کرنے کے بعد آخر میں کہتے ہیں:

اے لڑکی، معصوم سی لڑکی
یہ تیری سوچوں کے دن ہیں؟
کیوں تو دل کو روگ لگائے
کن فکروں میں جان کھپائے
چھوڑ اری یہ رونا دھونا

کل کے غم یا آج کی خوشیاں
مستقبل کے تانے بانے
یہ سب بے معنی ہیں لڑکی
صرف تری ہستی ہے برحق
ہستی کا اثبات ہے لازم
باقی سب کچھ، کچھ بھی نہیں ہے
اے لڑکی، معصوم سی لڑکی![۱۲]

سلیم بیتاب کو ان نظموں کے تناظر میں اگر تانیثی جذبوں کا شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہو گا مگر سلیم بیتاب زندہ جذبوں کا شاعر ہے۔ وہ کسی مخصوص نظریہ یا نعرہ کے ساتھ وابستہ ہو کر اپنا نام شامل کرانے کا خواہش مند نہیں۔ وہ حقیقی طور پر ترقی پسند فکر کا حامل ہے۔ وہ اپنی نظمیں مزدوروں اور کسانوں کے نام کرتا ہے۔ وہ محروم لبوں پر خوشیوں کی خواہش رکھتا ہے۔ ان کے ہاں جذبوں کی شدت ہے تو ساتھ ہی ساتھ انسانوں کی منافقت کا ادراک بھی ہے۔ وہ انھیں کبھی قاتل کی صورت دیکھتا ہے تو کبھی اپنی نظم "ایکسپلائے ٹیشن" "Exploitation" میں جذبوں کے ساتھ کھلواڑ کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ان کی نظم عہد کے تاریک سائے کی تیرگی کا نوحہ نہیں بلکہ مستقبل قریب میں جلنے والے چراغوں کا اعلان ہے۔ وہ انسانی شعور کی ترقی کا خواہاں ہے۔ اُسے 'خواہشوں کی آمریت' میں انسانوں کے خوابوں خیالوں کی جنت سے زیادہ زمینی آسودگی کی فکر ہے۔ وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ زندگی گزارنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اُسے محض خیالی دُنیا بھلی نہیں لگتی۔ بنتی بگڑتی خواہشیں اور ان کے پیچھے لگے زرد چہرے قبول نہیں ہیں۔ وہ ہر حال میں جینے کی خواہش رکھتا ہے اور اس خواہش کی راہ میں آنے والے خطرات سے نبرد آزما ہونا چاہتا ہے۔ اس جینے کی خواہش نے اسے دنیا کی ساری حقیقتوں کو دیکھنے اور پرکھنے کے لیے جو شعور عطا کیا ہے وہ ایک ترقی پسند فکر کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

سلیم بیتاب نے اپنی نظموں میں جہاں لطیف جذبوں اور کومل احساس کی ترجمانی کی ہے وہیں زندگی کی تلخیوں کا اظہار اس خوب صورت انداز میں کیا ہے کہ یہ نظمیں کسی ایک مخصوص عہد کی نمائندہ نہیں بلکہ ایسی آفاقیت رکھتی ہیں کہ ہر عہد اور ہر خطہ اس کا موضوع نظر آتا ہے۔ ان کے کلام میں آفاقیت کا یہ پہلو انسانی ارتقا پر بھی سوالیہ نشان ہے کہ سالہا سال گزرنے کے بعد بھی منظر نامہ نہیں بدلا اور آج سے نصف صدی پہلے لکھی جانے والی نظمیں آج کے دور کی نظمیں محسوس ہوتی ہیں۔ ان کی نظم "مفروضے" انھی نظموں میں سے ایک ہے۔ اس کا آخری حصہ ملاحظہ ہو جسے پڑھ کر لگتا ہے کہ یہ موجودہ عہد کی تخلیق ہے:

خالی خالی ساہر فقرہ
جعلی جعلی ساہر جذبہ

بے معنی سی بخت کا چکر
بے دانش سی علم کی باتیں
لایعنی منطق کے جھگڑے
لاحاصل، بے کار تکلم
پھیکا سا مجروح تبسم
ریستوران کا ہر اک چہرہ
عالم، فاضل، اونچا، گہرا
اپنی اپنی سب کی ڈفلی
اپنا اپنا سب کا ترانہ
میرا تعصب، میرا ایماں
میرا تعصب، تیرا ایقاں
میں بھی حقائق سے بے بہرہ
تو بھی صداقت سے ہے عاری
ہر جانب ہی مفروضے ہیں
سچائی معلوم نہیں ہے(۱۳)

ان نظموں سے سلیم بیتاب کے ایک آفاقی شاعر ہونے سے بہر طور انکار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ اپنی نظموں میں زندگی کے تمام تر مسائل اور مصائب کا ذکر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے موضوعات ہر طبقہ اور ہر شعبۂ زندگی کے طرف نئے پہلوؤں کی عکاسی ہیں۔ ان کا زندگی کا دیکھنے کا نظریہ حقیقت پسندانہ اور ترقی پسندانہ ہے۔ ان کی نظمیں بھرپور زندگی کی خواہش کا اظہاریہ ہیں۔ ان کی نظموں میں ترقی پسند سوچ کے عناصر انھیں اپنے عہد کا نمائندہ شاعر ثابت کرتے ہیں۔ اپنی غزلوں میں کومل جذبوں کا ترجمان یہ شاعر اپنی نظموں میں الگ روش کے ساتھ نظر آتا ہے۔ کم عمری میں وفات پا جانے والے سلیم بیتاب کی نظمیں انھیں اہم نظم گو شاعر اور ترقی پسند شاعر کی صورت سامنے لاتی ہیں۔ ناز خیالوی نے ان کی وفات پر جو شعر لکھا تھا وہ حقیقت میں ان کی شاعری پر خوب صورت اظہاریہ ہے۔ وہ واقعی تاریخِ فن کا ایک باب ہے:

تاریخِ فن کا آج ایک باب جل گیا
اِک حادثے کی آگ میں بیتاب جل گیا(۱۴)

اردو ادب کا یہ اہم شاعر ایک حادثے میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ بطور نظم گو شاعر ان کی ترقی پسند فکر ان کی حیاتِ جاوداں کا اہم

پہلو ہے۔

حوالہ جات

۱۔ احسان دانش، جہانِ دانش، لاہور، خزینۂ علم وادب، ۱۹۹۸ء، ص ۵۷۱

۲۔ سلیم بیتاب، لمحوں کی زنجیر، راولپنڈی، خالد ندیم پبلی کیشنز، س ن

۳۔ اشرف اشعری، شخصیت آباد، فیصل آباد، مظہر پبلی کیشنز، ۲۰۱۹ء، ص ۲۵۰

۴۔ ریاض احمد ریاض، ڈاکٹر سے راقم کی گفتگو، مؤرخہ ۱۳ اگست ۲۰۲۲ء

۵۔ سلیم بیتاب، ہوا کی دستک، لاہور، پروگریسو پبلی کیشنز، س ن، ص ۱۰

۶۔ ایضاً، ص ۲۳

۷۔ ایضاً، ص ۲۹

۸۔ ایضاً، ص ۵۹

۹۔ ایضاً، ص ۷۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۷۸

۱۱۔ ایضاً، ص ۱۵۔۱۶

۱۲۔ سلیم بیتاب، لمحوں کی زنجیر، ص ۴۹

۱۳۔ ایضاً، ص ۶۸

۱۴۔ ناز خیالوی، تم اِک گورکھ دھندا ہو، لاہور، الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء، ص ۱۷۲

Refrences:

1. Ehsan Danish, Jahan-e-Danish, Lahore, Khazina-e-Ilm-o-Adab,1998,Safha571
2. Saleem Betaab, Lamhon Ki Zanjir, Rawalpindi, Khalid Nadeem Publications, Seen Noon
3. Ashraf Ashari, Shakhsiyyat Abad, Faisalabad, Mazhar Publications, 2019, Safha250
4. Riaz Ahmad Riaz, Dr. Se Raqam ki Guftugoo, 13August, 2022
5. Saleem Betaab, Hawa Ki Dastak, Lahore, Progressive Publications, Seen Noon, Safha10
6. Aizan, Safha23
7. Aizan, Safha29

8. Aizan, Safha59
9. Aizan, safha76
10. Aizan, safha78
11. Aizan, safha15-16
12. Saleem Betaab, Lamhon Ki Zanjir, Safha49
13. Aizan, safha68
14. Naz Kheyalvi, Tum Ek Gorakh Dhanda Ho, Lahore, Al-Hamd Publications, 2014, Safha172